

قصص اشاعت

مواظف حكيم الامت اور ديني رسائل كى اشاعت كا امين

مدیر
خليل احمد تھانوی

ماہنامہ الامت
پاکستان
الہ آباد

مدیر مسئول
مشرف علی تھانوی

جلد ۲ / شعبان المعظم ۱۴۲۲ھ / نومبر ۲۰۰۱ء / شمارہ ۱۲

الصوم

از افادات: حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی قدس سرہ

عنوانات و حواشی: مولانا خلیل احمد تھانوی

زرسالانہ = / ۱۰۰ روپے

قیمت فی پرچہ = / ۱۰ روپے

ناشر: مشرف علی تھانوی

مطبع: ہاشم اینڈ مواد پریس

۱۳/۲۰، روڈ جلال محلہ لاہور

مقام اشاعت

جامعہ دارالعلوم الاسلامیہ لاہور، پاکستان

جامعہ دارالعلوم الاسلامیہ

۲۹۱- کامران بلاک علامہ اقبال ٹاؤن لاہور

فون نمبر ۳۳۸۰۶۰

۵۳۲۲۱۳

ماہنامہ
الامت

چیتہ دفتر۔

الصوم

حکیم الامت حضرت تھانویؒ نے یہ وعظ نکوڑ ضلع سہارنپور برہمکان تحصیلدار
صاحب ۱۴ شعبان المعظم ۱۳۳۱ھ کو بیٹھ کر ارشاد فرمایا۔ مولانا محمد عبداللہ صاحب
نے قلمبند فرمایا۔ سامعین کی تعداد تقریباً دو سو ۲۰۰ تھی۔

وعظ

ملقب بہ

الصوم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد لله نحمده ونستعينه ونستغفره ونؤمن به ونتوكل عليه ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا من يهده الله فلا مضل له ومن يضلله فلا هادي له ونشهد ان لا اله الا الله وحده لا شريك له ونشهد ان سيدنا ومولانا محمداً عبده ورسوله صلى الله عليه وعلى اله واصحابه وبارك وسلم اما بعد فقد قال النبي ﷺ قال الله تعالى كل حسنة تضاعف بعشر الى سبع مائة ضعف الا الصوم فانه لي وانا اجزي به -
(ترجمہ: ہر نیکی بڑھائی جاتی ہے دس گنا سے سات سو گنا تک۔ بجز روزہ کے اس لئے کہ وہ روزہ خاص میرا ہے اور میں اس کی جزا دوں گا)

وجہ انتخاب مضمون

یہ ایک حدیث قدسی ہے۔ حدیث قدسی جناب باری عز اسمہ کا وہ ارشاد ہے جس کی تلاوت کبھی نہ کی گئی ہو (۱)۔ یہ حدیث جس کو اس وقت میں نے پیش کیا ہے اس

(۱) اللہ تعالیٰ کے جس ارشاد کی ہمیشہ تلاوت کی جاتی ہے اس کو قرآن حکیم کہتے ہیں۔ اور جس حدیث کو اس طرح ذکر کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اس کو حدیث قدسی کہتے ہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ الفاظ سے قرآن کی آیت ذکر کی جاتی ہے۔ اس لئے حضرت تھانویؒ نے کہا کہ یہ وہ ارشاد ہے جس کی تلاوت کبھی نہ کی گئی ہو۔

میں حق تعالیٰ نے روزہ کی فضیلت بیان فرمائی ہے۔ اس وقت یہ مضمون اس لئے اختیار کیا ہے کہ اس وقت دو قسم کے روزہ کا وقت قریب آ گیا ہے ایک تو روزہ مستحب کا وقت قریب ہے تو وہ کل یا پرسوں ہے تفصیل اس کی یہ ہے کہ بحساب یہاں کی رویت (۱) کے تو پرسوں کو پندرہ شعبان ہے اور بعض تحریرات (۲) سے کل پندرہ شعبان ہے۔ اگر کسی کو تحقیق ہو جاوے اور پندرہ شعبان کو روزہ رکھنا مستحب ہے۔ دوسرے روزہ فرض کا وقت بھی قریب ہے کہ پورے ماہ کا روزہ فرض ہے چونکہ دونوں قسم کے روزہ کا وقت قریب تھا اس لئے مناسب معلوم ہوا کہ روزہ کی فضیلت اور کچھ احکام بیان کر دئے جاویں۔

ہر چند کہ روزہ کے فضائل ایسے نہیں ہیں کہ کسی نے نہ سنے ہوں بفضلہ تعالیٰ ہمیشہ علماء کے مواعظ سنے ہیں کم و بیش خود بھی لوگ واقف ہیں تو اس حیثیت سے احتیاج (۳) بیان نہ تھی لیکن میں روزہ کی ایک فضیلت خاصہ بیان کرنا چاہتا ہوں اور وہ فضیلت من حیثیت ہی میرا مقصود (۴) بھی نہیں بلکہ اس سے میں ایک خاص طرز سے روزہ کے چند احکام مستنبط (۵) کروں گا اور احکام بھی لوگوں کے سنے ہوئے ہیں۔ لیکن حالت یہ ہے سن کر ان کو یاد نہیں رکھتے ہیں اور اگر یاد بھی رکھتے ہیں تو ان کی عظمت نہیں میں ایسے عنوان سے بیان کرنا چاہتا ہوں کہ ان احکام کی عظمت حاضر ہو جاوے۔

حاصل یہ ہے کہ جتنی نیکیاں ہیں سب کا ثواب کئی گنا کر کے ملنا ہے اور وجہ اس کی

(۱) یعنی شعبان المعظم کا چاند اس حصہ میں جس تاریخ کو نظر آیا تھا اس کے اعتبار سے (۲) یعنی اخبار وغیرہ میں جو تاریخ شعبان کی گنتی جاری ہے اسکے اعتبار سے (۳) بیان کی ضرورت نہیں تھی (۴) صرف فضیلت ہونے کے اعتبار سے میرا مقصود ہی نہیں (۵) بلکہ اس کے ذریعہ روزہ کے بعض مسائل نکال کر بیان کروں گا۔

یہ ہے کہ حق تعالیٰ کی رحمت چونکہ واسعہ (۱) ہے اور منظور یہ ہے کہ بندوں کو کچھ مل جائے اس لئے نیکی کا بدلہ برابر سزا نہیں ملتا ہے بلکہ اس میں اضافہ کا قانون (۲) ہے بخلاف سیدہ (۳) کے کہ برابر لکھے جاتے ہیں۔

ایک نیکی کے ثواب کی حد

چنانچہ ارشاد ہے من جاء بالحسنة فله عشر مثالا (۴) یعنی جو شخص نیکی لاوے گا اس کے لئے اس سے بہتر ملے گا۔ مطلق مضاعفت (۵) تو اس آیت سے ثابت ہے اور دوسرے مقام پر اس کی تعیین بھی فرمادی چنانچہ فرماتے ہیں ”من جاء بالحسنة فله عشر امثالها۔ الآية“ (۶) یعنی جو شخص نیکی لاوے گا اس کے لئے اس کی دس مثل ہیں اور جو بُرائی کرے تو اس کو اس کے برابر جزاء ملے گی۔ اس سے مضاعفت اور خیریت مذکورہ آیت سابقہ کی تعیین (۷) ہوگئی اور یہ بھی معلوم ہوا کہ قانون عام ہے اس لئے کہ لفظ من عام (۸) ہے کوئی اس سے مخصوص نہیں۔

پس مضاعفت دس سے کم تو کسی حال میں نہ ہوگی اور جو حدیث میں اول پڑھی تھی اس سے منہائے اکثری بھی اس مضاعفت کا معلوم ہوتا ہے کہ اخلاص کے تفاوت سے سات سو تک مضاعفت (۹) ہوتی ہے یعنی اگر کوئی ایک پیسہ دے تو سات سو پیسوں کا، اگر ایک روزہ رکھے تو سات سو روزوں کا ثواب ملتا ہے۔ علیٰ ہذا ایک

(۱) بہت زیادہ ہے (۲) کہ جو ایک نیکی کرے گا اس کو دس گنا ملے گا (۳) بخلاف گناہ کے کہ ایک کے بدلہ میں ایک ہی لکھا جائے گا (۴) مطلق زیادتی (۵) سورة الانعام آیت ۱۶۱ (۶) بہتر اور زیادہ ہونے کی جو مقدار گذشتہ آیت میں بیان کی تھی اس کی تعیین ہوگئی کہ وہ دس گنا ہے (۷) اس کے معنی ”جو“ کے ہیں جو ہر مسلمان پر صادق آتا ہے (۸) اکثر یہ زیادتی کسی حد تک ہوتی ہے اس کو بھی بیان کر دیا کہ وہ سات سو گنا تک ہے۔

آیت پڑھے تو سات سو آیت کا۔ ایک قرآن ختم کرے تو سات سو قرآن کا ثواب ملتا ہے اور اہل منتہا کو جو میں نے اکثری کہا (لیکن یہ کثرت اضافی نہیں بلکہ فی نفسہ کثرت مراد ہے) تو وجہ اس کی یہ ہے کہ قرآن وحدیث میں غور کرنے سے سات سو کی تحدید نہیں معلوم ہوتی (۱) بلکہ غیر متناہی مضاعفت ہوتی ہے اور متناہی سے مراد غیر متناہی بالفعل مراد نہیں بلکہ بمعنی لا تقف عند حد مراد (۲) ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے جو اپنی راہ میں خرچ کرنے والوں کی ایک مثال ارشاد فرمائی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس مضاعفت کا منتہا (۳) نہیں۔

قرآن سے ثواب لامحدود کا ثبوت

چنانچہ ارشاد ہے مثل الذین ینفقون اموالہم فی سبیل اللہ کمثل حبة انبتت سبع سنابل فی کل سنبلۃ مائۃ حبة (۴)۔ یعنی جو لوگ اپنے مالوں کو اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں ان کا حال ایسا ہے جیسے ایک دانہ ہو وہ سات بالیں اُگاوے اور ہر بالی میں سو دانے ہوں اس کے آخر میں ارشاد ہے ”واللہ یضاعف لمن یشاء“ یعنی اور اللہ جس کے واسطے چاہیں اس سے بھی زیادہ بڑھا دیں ”واللہ واسع علیم“ یہ جملہ ماسبق کی علت (۵) ہے کہ اس مضاعفت سے حیرت اور تعجب نہ کرو اللہ تعالیٰ صاحب وسعت ہیں ان کے یہاں تنگی

(۱) قرآن وحدیث میں غور کرنے سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ یہ مطلب نہیں ہے کہ سات سو آخری حد ہے اس سے آگے بڑھتی ہی نہیں بلکہ بڑھتی ہے جس کی کوئی انتہا نہیں (۲) لامتناہی سے مراد یہ ہے کہ اس کی انتہا کی کوئی حد نہیں (۳) اس بڑھنے کی کوئی حد نہیں (۴) سورۃ البقرۃ آیت ۲۶۱ (۵) پچھلے جملے کی علت ہے کہ اس میں تنگی کے بڑھانے کا ذکر ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بہت گنجائش والے ہیں۔

نہیں اور اس کے ساتھ ہی دھوکہ میں پڑنے والے کا علاج بھی ارشاد فرمایا کہ وسعت پر مغرور مت ہو جاؤ اور یہ مت سمجھو کہ ہماری نیکی قابلِ مضا عفت (۱) ہے اس لئے کہ وہ علیم (۲) بھی ہیں یعنی یہ بھی جانتے ہیں کہ کس کی نیکی مضا عفت کے قابل (۳) ہے اور کس کی نہیں اس لئے کہ مدار مضا عفت کا اخلاص پر (۴) ہے جس قدر اخلاص زیادہ ہوگا اُسی قدر مضا عفت ہوتی جاوے گی (۵) اور چونکہ اخلاص کی کوئی حد نہیں لہذا اس مضا عفت کی بھی تعین نہیں کی جاسکتی۔ الحاصل نیکی کا قانون عام کہ جس سے کوئی مؤمن مخصوص و مستثنیٰ نہیں ہوا کہ ایک نیکی کے بدلے دس ملتی ہیں اور باعتبار اکثر کے سات سو تک مضا عفت ہوتی ہے اور سات سو سے آگے غیر حد مضا عفت (۶) ہو سکتی ہے یہ تو آیت سے مضا عفت کا غیر محدود ہونا معلوم ہوا (۷)۔

حدیث سے نیکی کے لامحدود ثواب کا ثبوت

اب حدیث لیجئے، حدیث میں آیا ہے کہ حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ اگر ایک شخص ایک چھواریہ صدقہ کرے تو اللہ تعالیٰ اس کو اپنے دست مبارک میں لیتے ہیں اور اس کی پرورش فرماتے ہیں ”کما یربہی احدکم فلوہ“ یعنی ایسے پرورش فرماتے ہیں یعنی اس کو بڑھاتے ہیں جیسے ایک تمہارا اپنے بچھیرے کو پرورش کرتا ہے اور بڑھاتا ہے اور بچھیرے کی تخصیص اس لئے فرمائی کہ عرب کے لوگ گھوڑوں کو

(۱) اس بڑھنے سے اس دھوکے میں نہ پڑ جانا کہ ہماری نیکی بڑھنے کے قابل ہے (۲) وہ جانتے بھی ہیں (۳) کہ کسی کی نیکی بڑھنے کے قابل ہے (۴) نیکی کے بڑھنے کا دار مدار اخلاص نیت پر ہے (۵) اخلاص کی کوئی حد نہیں اس لئے کہ نیکی کے بڑھنے کی بھی کوئی حد نہیں (۶) سات سو سے زائد کہ جس کوئی حد نہ ہو، نیکی بڑھ سکتی ہے (۷) نیکی کا لامحدود ہونا آیت سے معلوم ہوا۔

بہت محبوب رکھتے تھے اور جب اس کی یہ ہے کہ یہ ایک جنگ جو اور بہادر قوم ہے اور گھوڑا جنگ میں بڑا کام آنے والا ہے فرار (۱) میں بھی اور اگر میدان میں قائم رہ کر حرب (۲) میں مشغول رہیں تو اس میں بھی گھوڑا کام دینے والا ہے اور اگر مغلوب (۳) ہونے کی حالت میں بھاگنے کی ضرورت ہو تو اس موقع پر بھی گھوڑے سے زیادہ کوئی جانور کام کا نہیں اور حرب میں یہی دو موقع ہوتے ہیں کبھی فرار (۴) ہوتا ہے اور کبھی فرار۔ اور بیٹھے قرار فی الحرب (۵) شجاعت ہے اسی طرح فرار بھی عند الحیلة شجاعت (۶) شمار ہوتی ہے اس لئے موقع سے اپنی جان بچا کر نکل بھاگنا یہ بھی درستی حواس سے ہوتا ہے درستی حواس جب ہی ہوگی جب کہ قلب ضعیف (۷) نہ ہو۔ آدمی دلیر اور بہادر ہو چنانچہ عرب جہاں اشعار میں قرار پر یعنی جے رہنے پر فخر کرتے ہیں اسی طرح فرار یعنی میدان سے بھاگ جانے پر بھی فخر و ناز کرتے ہیں اس لئے کہ عرب کی شاعری نہایت سادہ رنگ لئے ہوئے ہے عجم (۸) کے تکلفات وہاں نہیں ہیں۔ غرض گھوڑا قرار اور فرار دونوں وقت میں چونکہ کام آتا ہے اس لئے وہ عرب کو بہت محبوب تھا اور ظاہر ہے کہ بچہ تو ہر شے کا پیارا معلوم ہوتا ہے خاص کر محبوب کا بچہ تو اور بھی زیادہ محبوب ہوگا اس لئے حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ جیسے تم بچہ پھرے کو پالا کرتے ہو اسی طرح اللہ تعالیٰ اس چھواریہ کو پرورش فرماتے ہیں۔ آگے فرماتے ہیں ”حتیٰ یکون اعظم من احد“ یعنی

(۱) میدان جنگ سے بھاگنے اور اس میں ثابت قدم رہنے میں گھوڑا بہت کام آتا ہے (۲) جنگ میں (۳) شکست کی صورت میں (۴) کبھی ثابت قدم رہنا اور کبھی بھاگنا (۵) جنگ میں ثابت قدم رہنا بہادری ہے (۶) بعض حالات میں بھاگنا بھی بہادری ہے کہ بہت سے دشمنوں میں گھر جانے کی صورت میں وہاں سے اپنے آپ کو صحیح سلامت نکال لانا بہادری ہے (۷) کیونکہ یہ کام آدمی جب کر سکتا ہے کہ اس کے حواس ٹھیک رہیں اور حواس کا ایسے مشکل وقت میں صحیح رہنا جب ہوتا کہ دل کمزور نہ ہو اور آدمی بہادر ہو (۸) غیر عرب۔

اس چھوارہ کی اتنی تربیت فرماتے ہیں کہ وہ اُحد پہاڑ سے بھی زیادہ بڑا ہو جاتا ہے اس حدیث کے اندر اگر غور کیا جاوے تو معلوم ہوگا کہ سات سو کی تخصیص تحدید کے لئے نہیں اس لئے کہ چھوارہ کی برابر اُحد پہاڑ کے کئے جاویں تو سات سو کیا سنبھوں مہاسنبھوں (۱) سے بھی زیادہ پر نوبت پہونچے گی اور وزن کے اعتبار سے اگر چھوارہ کے برابر حصے کئے جاویں تو اور بھی زیادہ ہو جاویں۔ مولانا فرماتے ہیں۔

خود کہ باید ایں چنین بازار را کہ بیک گل میخیزد گلزار را

نیم جاں بستاند و صد جاں دہد ہر چہ دروہمت نیاید آں دہد

ترجمہ: (ایسا بازار کہیں نصیب ہوگا کہ ایک پھول کے بدلے تمام چمن کے مالک بن جاوے۔ یعنی اللہ تعالیٰ جان فانی لیتے ہیں باقی رہنے والی جان عنایت فرماتے ہیں جو کچھ وہم و گمان میں نہیں آ سکتا وہ عطا کرتے ہیں۔)

ثواب میں کمی زیادتی اخلاص کی وجہ سے ہے

اور بڑھنا باعتبار اخلاص کے ہے جس قدر اخلاص زیادہ ہوگا اسی قدر ثواب بڑھتا جائے گا اور اسی واسطے حدیث میں آیا ہے کہ میرا صحابی اگر نصف مند یعنی آدھ سیر بخو اللہ کی راہ میں خرچ کرے تو وہ دوسرے کے اُحد کی برابر سونا خرچ کرنے سے بہتر ہے تو اس کی وجہ کیا ہے؟ یہ تو ہے نہیں کہ اللہ تعالیٰ سے (توبہ توبہ) رشتہ داری ہے صرف بات یہ ہے کہ اُن حضرات کے اندر خلوص اور محبت اس قدر تھا کہ اوروں کے اندر اتنا نہیں اسی واسطے ان کے صدقات و حسنات (۲) بڑھتے چلے جاتے ہیں اور یہ کوئی عجیب

(۱) سوال کھ کا ایک ارب اور سو ارب کا ایک کھرب اور سو کھرب کا ایک کھکھ ہوتا ہے اور سو کھکھ کا مہاسکھ ہوتا ہے مطلب یہ ہے کہ ایک نیکی کا ثواب لا تعداد ہوتا ہے (۲) نیکیاں۔

بات نہیں دنیا میں بھی ہم اس کی نظیر دیکھتے ہیں کہ ایک ہی کام ہے ایک آدمی اس کو ضابطہ کے موافق کرتا ہے اور دل سے نہیں کرتا اس کی کچھ قدر نہیں ہوتی اس کے ساتھ ضابطہ ہی کا برتاؤ بھی ہوتا ہے اور ایک دوسرا شخص اسی کام کو محبت سے اور دل لگا کر کرتا ہے اس کے دل میں قدر ہوتی ہے، اس کے ساتھ قانونی معاملہ نہیں کیا جاتا بلکہ جی چاہتا ہے (۱) کہ اس کو زیادہ نفع پہنچایا جاوے۔ یہ بحث تو مضاعفت (۲) کے متعلق تھی حضور ﷺ کے ارشاد سے اور جناب باری تعالیٰ کے کلام پاک سے۔

روزہ کی جزاء کا ضابطہ

آگے استثنافرماتے ہیں ”الا الصوم فانه لى وانا اجزى به“ (۳) یعنی ہر حسہ میں مضاعفت ہوتی ہے لیکن روزہ اس قانون سے مستثنیٰ ہے۔ اس کے لئے دوسرا قانون ہے ’فانه لى‘ یہ وجہ ہے دوسرا قانون ہونے کی یعنی وہ میرا ہے میرے لئے خاص ہے اس لئے ہم اس کا قانون اور حسات سے جدا (۴) قرار دیتے ہیں ”وانا اجزى به“، یعنی وہ قانون دوسرا اس کے لئے یہ ہے کہ اس کی جزا بلا واسطہ ملائکہ کے ہم خود دیں گے۔ ذرا بھی کسی کو عقل ہو تو وہ اس سے سمجھ سکتا ہے کہ جس عمل کی نسبت جناب باری تعالیٰ یہ فرماویں کہ ہم خود اس کا بدلہ دیں گے تو وہ جزا بڑی عظیم الشان ہوگی۔ جیسے حاکم یہ کہے کہ فلاں کار گزاری کا انعام ہم خود دیں گے، ہر شخص سمجھے گا کہ خدا جانے کیا عنایت ہوگا اور جب احکم الحاکمین یہ فرماوے تو وہ جزا تو بیکار ہوگی اور بے حد کے یہ معنی نہیں کہ غیر متناہی بالفعل (۵) ہوگی کہ اس پر محال ہونے کا

(۱) دل چاہتا ہے (۲) ثواب کی زیادتی کے بارے میں (۳) ہر جگہ بڑھتی ہے لیکن یہ ضابطہ روزہ کے متعلق نہیں ہے اس کے لئے دوسرا قانون ہے (۴) دوسری نیکیوں سے الگ (۵) یعنی بالکل ایسی جزا، ہو کہ جس کی کوئی حد ہی نہ ہو اس لئے کہ ایسا ہونا تو ناممکن ہے۔

اشکال ہو بلکہ بے حد ہونے کی صورت یہ ہے کہ غیر متناہی بمعنی لا تقف عند حد (۱) ہے یعنی وہ جزا کسی وقت ختم نہ ہوگی یہ امتیاز تو باعتبار کمیت (۲) ہے اور ہو سکتا ہے کہ کیفیت کے اعتبار سے اس میں اور اجزیہ سے کچھ امتیاز (۳) ہو کہ روزہ کی جزا کیفاً اور اعمال کی اجزیہ سے ممتاز ہو غرض روزہ کے درمیان میں خواہ مقدار کے اعتبار سے ہو یا کیف کی رو سے ہو اور حسنات سے اس جزا کی نوع علیحدہ (۴) ہوگی۔

حدیث میں اس سے بحث نہیں کہ وہ جزا کیا ہے اور اس کو کیا مناسبت ہے اس لئے کہ حاکم کو یہ ضرور نہیں کہ رعایا سے وہ یہ بھی بیان کر دیا کرے کہ کیا جزا دیں گے اور اس کو کیا مناسبت ہے اور نیز مقصود تو امتثال امر کی ترغیب (۵) ہے اور جزا کا بیان کرنا اس کا مدار نہیں۔ ترغیب امتثال کے لئے تو اہل اطاعت کے نزدیک اتنا بھی کافی ہے کہ حاکم کا حکم ہے (۶)۔ اور خیر ایک درجہ میں انتظار، تو اس کا اجمالاً مضائقہ نہیں مگر یہ کہ اس کی تعیین بھی ہو اور اس کے وجوہ مناسبت بھی معلوم ہوں یہ کسی درجہ میں بھی ضروری نہیں۔

باب عمل میں دو کوتاہیاں

اور اس باب میں دو لغزشیں (۷) ہو جاتی ہیں ایک لغزش تو دین میں مضر (۸)

نہیں گو ایک درجہ میں لغزش ہے مگر دوسری مضر ہے۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ

- (۱) بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ کسی حد پر کے کی نہیں کبھی ختم نہیں ہوگی (۲) مقدار کے اعتبار سے دوسری نیکیوں اور روزہ میں یہ فرق ہے (۳) ممکن ہو کہ کیفیت کے اعتبار سے بھی دوسری چیزوں کی جزا اور روزہ کی جزا میں فرق ہو (۴) دونوں کی جزا مقدار اور کیفیت دونوں اعتبار سے دوسری نیکیوں کی جزا سے مختلف ہوگی (۵) حکم کی بجا آوری کا شوق دلاتا ہے (۶) ماننے والوں کیلئے تو کام کرنے کیلئے اتنا کہ وہ بنا ہی کافی ہے کہ یہ حاکم کا حکم ہے چاہے اس پر کسی بدلے کا ذکر نہیں بھی نہ کیا جائے (۷) کوتاہیاں (۸) نقصان دہ۔

فضائل و ثواب کا جو وعدہ ہے اس پر امتثال (۱) کو مبنی کرنا کہ ان فضائل و ثواب کے سبب تو عمل کرتا ہے یہ لغزش تو ہے مگر مضرت نہیں (۲) اس لئے کہ وعدہ تو ہو ہی چکا ہے اُس کا وجود تو متیقن ہے (۳) تو اس شخص نے عمل کو اسی شی پر مبنی کیا ہے کہ اس کا وجود یقینی ہے ثابت بالنص (۴) ہے تو اس میں ضرر کچھ نہیں لیکن یہ دلیل قلت محبت (۵) کی ہے اور یہی سبب ہے اس کے لغزش ہونے کا اپنے مطلب کی محبت ہے ذات محبوب اس کو محبوب نہیں اگر ذات محبوب اس کو مطلوب ہوتی تو فضائل تو کیا اگر امتثال امر میں کوئی تکلف ہونا بھی معلوم ہوتا تب بھی امتثال ترک (۶) نہ کرتا۔ دیکھو دنیا میں اگر کسی سے محبت ہو جاتی ہے تو اس سے ملنے میں کتنی کتنی مصیبتیں جھیلتے ہیں گوارا اور ناگوارا سب ہی کچھ برداشت کرتے ہیں واللہ اگر محبت صادق ہے اس کا مشرب (۷) تو یہ ہے کہ جس میں محبوب خوش ہو وہ کام کرنا چاہئے۔

فراق و وصل چہ باشد رضائے دوست طلب

کہ عیب باشد ازو غیر او تمنائے

ترجمہ: (فراق اور وصل کی کچھ حقیقت نہیں محبوب کی رضا طلب کرنا چاہئے اگر محبوب فراق کو پسند فرمائیں تو تم وصال کے طالب مت بنو اس لئے محبوب کی مرضی کے خلاف کی تمنا کرنا افسوس کی بات ہے) اور صرف اس کی خوشنودی کے لئے کرنا چاہئے حتیٰ کہ یہ کہنا کہ آپ مل

(۱) فضائل و ثواب کی وجہ سے احکام کی بجا آوری کرنا (۲) نقصان دہ (۳) یقینی ہے (۴) قرآن و حدیث سے ثابت ہے (۵) محبت کی کمی کی دلیل ہے (۶) اگر محبوب کی ذات اس کو مطلوب ہوتی تو حکم کی بجا آوری میں تکلیف بھی ہوتی تب بھی اس حکم پر عمل کو ترک نہ کرتا (۷) لہجہ ہے۔

جائیں یہ بھی نہ چاہئے لیکن چونکہ ایسی طبیعتیں بہت کم ہیں زیادہ طبیعتیں ایسی ہی ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے وعدہ اور وعیدوں کو سن کر عمل کی توفیق ہوتی ہے اس لئے حق تعالیٰ نے اعمال پر وعدہ فرمایا ہے ایک بناء تو عمل کی یہ تھی کہ جو مضر نہیں۔

عوام کے لئے مسائل کی حکمت و علت دریافت کرنا جہالت ہے ایک بناء دوسری ہے وہ نہایت خطرناک ہے وہ کیا ہے فہم حکمت یعنی عمل جب کریں گے جب اس عمل کی حکمت اور وجہ منسبت عمل و جزاء بھی ہماری سمجھ میں آجاوے افسوس ہے کہ اس زمانہ میں جس قدر تعلیم بڑھتی جاتی ہے اسی قدر اس بناء فاسد کاشیوع (۱) ہوتا جاتا ہے۔ جس کو دیکھئے کیا علماء کیا جہلاء سب اس میں مبتلاء ہیں اور ماشاء اللہ میرے جاہل کہنے پر شاید بعض تعلیم یافتوں کو شبہ ہوا ہو کہ ہم تو خاصے لکھے پڑھے ہیں چنانچہ خواندہ لکھے جاتے ہیں ہم کو جاہل کیوں کہا؟ بات یہ ہے کہ جاہل کے معنی یہ نہیں کہ لکھنا یا پڑھنا نہ جانتا ہو بلکہ جس فن کو کوئی نہ جانے وہ اس فن کا جاہل ہے اگر میں ڈاکٹر نہیں ہوں تو اگر اس فن میں دخل دوں تو میری حماقت ہے اس فن کے اعتبار سے میں جاہل ہوں جس شخص نے جو فن حاصل کیا نہ ہو وہ اگر اس میں محقق ہونے کی حیثیت سے گفتگو کرے یہ اس کی غلطی ہے اور اگر سناٹا نہ گفتگو کرے تو اگر وہ سوال غیر ضروری ہے تو یہ بھی حماقت ہے اس کی ایسی مثال ہے کہ کسی طبیب کے پاس دو مریض جو کہ فن طب سے بالکل نا آشنا ہیں آئے تو ایک نے تو نبض وقارورہ (۲) دکھلا کر نسخہ لکھوا لیا اور دوا کی ترکیب وغیرہ دریافت کر کے دوا پینا شروع کر دیا اور دوسرے نے بھی نسخہ تو لکھوا لیا مگر نسخہ کو دیکھ کر آپ نے طبیب سے قیل وقال (۳) شروع

(۱) اتنی ہی یہ غلط وجہ عام ہوتی جاتی ہے (۲) پیٹاب (۳) بحث۔

کی کیوں حکیم صاحب آپ نے گل بنفشہ کیوں لکھا ہے بجائے اس کے فلاں دوا کیوں نہ تحریر فرمائی اور گل بنفشہ پانچ ہی ماشہ کیوں لکھا چھ ماشہ کیوں نہ لکھا ظاہر ہے کہ طبیب کو یہ گفتگو اس مریض کی ناگوار گزرے گی اسکو تو اس قدر سوال کافی ہے کہ میرا مرض کیا ہے اور دوا کیا ہے اور بلا حجت دوا پینا شروع کر دیتا اس پر طبیب عتاب بھی کرے گا لیکن اسی عتاب کی حالت میں اگر کوئی طالب علم (جو اس طبیب سے فن حاصل کرنے کے لئے رہتا ہے) آجاوے اور وہ یہی بعینہ (۱) سوالات کرے کہ شیخ نے اس دوا کی مقدار کیوں لکھی ہے اور بجائے اس کے فلاں دوا کیوں نہیں لکھی تو طبیب برابر جواب دے رہا ہے۔ اس پر وہ مریض سائل بگڑ گیا کہ کیا وجہ ہے کہ ہم نے یہی سوال کیا تھا تو ہم پر تو عتاب ہوا (۲) اور اس نے پوچھا تو آپ نے جواب دیا وہ طبیب ظاہر ہے کہ یہ کہے گا کہ یہ تو فن حاصل کرنے آیا ہے اس کو سوال کا حق حاصل ہے اور اس کا مقصد یہی ہے اور آپ کا مقصد یہ نہیں آپ کو تو شفا مطلوب ہے۔ ضاحیو! یہ مثال جب سمجھ میں آگئی تو اب اس سے صاف واضح ہو گیا کہ آپ صاحبوں کا حکمت سے سوال کرنا بالکل بے موقع ہے تعجب ہے کہ شب و روز گراموفون اور فونو گراف اور کمروں و بنگلوں میں رہنے کا شغل اور سوال یہ کریں کہ نماز کی فلاسفی کیا ہے اور روزہ کی حکمت کیا ہے آپ اپنے امراض کا علاج کیجئے۔

جاہلانہ سوال

مجھے ایک حکایت یاد آئی حضرت مولانا گنگوہیؒ ایک مرتبہ رام پور جاتے ہوئے موضع اسلام نگر میں تشریف لائے ایک خالص صاحب ایک جگہ کے رئیس مکان میں ٹھہرے (۱) بالکل ایسے ہی سوالات کرے (۲) ہم نے تو ناراض ہوئے۔

ہوئے تھے ان کو خیال ہوا کہ مولوی صاحب تنہا ہیں ان سے باتیں کرنا چاہئے اب باتیں کریں تو کیا کریں۔ اس لئے کہ ہر شخص سے وہی باتیں کی جاتی ہیں جو اس کے مذاق کے موافق ہوں سوچ بچار کر آپ پوچھتے ہیں کہ حضرت وہ چھوٹی چھوٹی باتیں کون سی ہیں جن سے نکاح ٹوٹ جاتا ہے حضرت نے فرمایا کہ چھوٹی باتوں سے ہمارے یہاں نکاح نہیں ٹوٹتا۔ خالص صاحب کہنے لگے کہ حضرت یہی کفر و شرک کی باتیں، حضرت نے ہنس کر فرمایا کہ خالص صاحب جب کفر و شرک چھوٹی باتیں ہیں تو آپ کے نزدیک بڑی باتیں کون سی ہیں۔ خالص صاحب چپ رہ گئے۔ حقیقت میں اپنے مرتبہ سے زیادہ سوال کرنا خود ذلیل ہونا ہے۔

علتیں دریافت کرنے کا نقصان

ایسے ہی زمانے کے تعلیم یافتہ حضرات ہیں ان کی مثال بعینہ (۱) ایسی ہے جیسے ایک شخص پر فوجداری کا مقدمہ ہو گیا اور وہ دریافت کرتا پھرتا ہے کہ فلاں دفعہ جو تعزیرات ہند میں ہے اس کی کیا وجہ ہے اس کے ذمہ تو یہ ضروری ہے کہ اس کو فکر ہو جاوے اور وکلاء سے مشورہ کرے اور اپنی خلاصی کی کوئی صورت تجویز کرے۔

افسوس ہیکہ ہمارے اوپر ہزاروں مقدمے فوجداری کے قائم ہیں، لیکن ہم کو تنبیہ نہیں ہم کو تو یہ ضروری تھا کہ قوانین دریافت کرتے اور اپنی گلو خلاصی (۲) کی کوئی تدبیر نکالتے ہم اسکے پیچھے پڑ گئے کہ اس کی کیا وجہ ہے اس کی کیا وجہ ہے سو یہ سخت مضر ہے۔ اس لئے کہ دو حال سے خالی نہیں یا تو حکم و علل کچھ سمجھ میں آگئے یا نہیں اگر سمجھ میں نہ آئے تب تو یہ ضرر ہوگا کہ احتمال کو مبنی کیا تھا فہم مبنی پر اور فہم ہوا نہیں (۳) اس لئے احکام پر عمل ہی نہ کرے گا ورنہ ان کو لغو (۴) سمجھے گا۔ جیسا کہ آجکل بہت سے ہمارے (۱) بالکل ایسی ہی ہے (۲) جان چھڑانے کی (۳) حکم کی بجا آوری موقوف خمی مسئلہ کی علت سمجھ میں آنے پر اور علت سمجھ میں آئی (۴) بیکار

نوجوان مذہب کی پابندی صرف قومیت کے لحاظ سے کرتے ہیں۔ احکام الہیہ کی کچھ عظمت ان کے قلوب (۱) میں نہیں ہے۔ بلکہ اس قسم کے سوالات کرتا یہ خود دلیل اس کی ہے کہ عظمت نہیں دیکھو گورنمنٹ کے احکام کی چونکہ دل میں عظمت ہے اس لئے ان کی وجہ کبھی نہیں پوچھی جاتی اگر کوئی پوچھتا ہے تو یہ جواب ملتا ہے کہ میاں احمق ہو سرکاری حکم ہے اور یہاں علماء سے حکمتیں اور علتیں دریافت کی جاتی ہیں۔

میں بقسم کہتا ہوں کہ علماء جو جاننے کی چیزیں ہیں سب کچھ جانتے ہیں بہت سے احکام کی حکمت بھی جانتے ہیں اور علت بھی مگر اس حکیم کی مثل (۲) ہیں کہ جاہل مریض کو اس نے جھڑک دیا تھا اور اگر کوئی طالب علم سوال کرتا ہے تو وہ شگفتہ ہو کر جواب دیتا ہے۔ ایک شخص میرے پاس ایک فرائض کا مسئلہ لائے اس میں بھیجا اور بھیجی تھے میں نے کہا میراث بھیجے کو ملے گی کہنے لگے کہ اسکی کیا وجہ ہے کہ بھیجی کونہ ملے گی حالانکہ دونوں بھائی بہن ہیں، میں نے کہا کہ جناب نوکری چھوڑ دیجئے اور فارغ ہو کر ہمارے پاس رہنے ہم اول سے صرف و خوفہ پڑھا کر سراجی آپکو پڑھائیں گے، اس وقت اسکی وجہ سے آپ سوال کرنے کے قابل ہوں گے۔ اور اب تو یہ جواب ہے کہ سرکاری حکم اسی طرح ہے بہر حال یہ طرز اور اس پر بناء کار رکھنا سخت مضر ہے کہ اگر معلوم نہ ہو تب تو عظمت و وقعت نہ ہوگی اور کچھ سمجھ میں بھی آئے تو چونکہ علل و حکم منصوص (۳) کم ہیں اسلئے اکثر تخمین و ظنی ہوں گے۔ کیونکہ بدوں (۴) خدا اور رسول ﷺ کے بتلائے ہوئے ہماری رسائی حقائق تک کب ہو سکتی ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ اور

(۱) بڑائی ان کے دل میں نہیں (۲) حکیم کے مشابہ ہیں (۳) احکام کی علتیں اور حکمتیں قرآن و حدیث میں کم ذکر کی گئی ہیں (۴) اللہ اور رسول کے بتائے بغیر۔

رسول ﷺ کے علم سے ہمارے علم کو جو نسبت ہے وہ اس سے بھی زیادہ بعید ہے کہ جیسے ایک صغیر سن (۱) بچے کے علم کو باپ کے علم سے۔

علتیں ذکر نہ کرنے کی وجہ

چنانچہ اب ملاحظہ فرمائیے کہ چھوٹے بچے کو آپ منع کرتے ہیں کہ کھنا آم مت کھاؤ اور دلیل اس کی کچھ بیان نہیں کرتے۔ دو وجہ سے۔ ایک تو اس لئے کہ ہمارا اُس پر زور ایسا ہے کہ ہم جو بات اس سے کہہ دیں گے بلا دلیل و بلا چون و چرا اس کو ماننا ضرور ہے، دوسری وجہ اس کی کم فہمی ہے اگر وجہ بیان کی جاوے گی تو اس کی سمجھ میں نہ آوے گی، صاحبو! کیا خدا تعالیٰ کا اتنا بھی زور نہیں یا یہ گمان ہے کہ ہمارا علم کافی ہے جب تھوڑے حقوق اور تھوڑے تفاوت علم پر کم و کیف قطع (۲) ہو جاتا ہے تو خداوند تعالیٰ شانہ کے حقوق و علم تو کہیں زیادہ ہیں تعجب ہے کہ خدا تعالیٰ سے اس کا انتظار کریں کہ جب وجہ سمجھ میں آ جاوے گی اس وقت مانیں گے اور چونکہ وہ محسن ہیں خالق ہیں اس لئے بعض جگہ حکم و اسرار خود بھی بیان فرما دیئے ہیں جیسے بچہ کی مثال میں باپ بعض مرتبہ کہتا ہے کہ آم کھئے مت کھاؤ پھنسیاں نکل آویں گی اور جہاں بیان نہیں فرمایا وہاں اپنی طرف سے تراشناخت مضمر (۳) ہے۔ بعض لوگ اس کاوش (۴) اسرار کے عذر میں کہا کرتے ہیں کہ صاحب ہم کو خود تو شبہ نہیں ہے لیکن بعض مخالفین پوچھتے ہیں ہم کیا جواب دیں اس لئے ہم پوچھتے ہیں سو یہ بھی نادانی ہے وجہ یہ ہے کہ پوچھ پوچھ کر

(۱) چھوٹی عمر کا بچہ (۲) جب تھوڑے حقوق اور تھوڑے علم کے وجہ سے کیوں اور کیسے وغیرہ کے سوالات نہیں کیے جاسکتے (۳) اپنی طرف سے گہرا کر بیان کرنا سخت نقصان دہ ہے (۴) علتیں معلوم کرنے کی کوشش کرنے کی وجہ یہ بیان کرتے ہیں۔

جواب دو گے تو کہاں تک دو گے کہیں تو بند ہو کر کہنا پڑیگا کہ ہم نہیں جانتے اس سے بہتر یہ ہے کہ سیدھی بات کہہ دو کہ بھائی علماء سے پوچھو ہم نہیں جانتے، جب وہ علماء سے پوچھیں گے تو علماء ان سے خود نبٹ لیں گے اور باقاعدہ ان سے گفتگو کر لیں گے۔

علتیں پوچھنے والوں کے لئے مسکت جواب

اور وہ قاعدہ یہ ہے کہ ہر مذہب حق کے کچھ اصول ہیں اور کچھ فروع اور اصول مذہب حق کے عقلی ہیں نقل کو اس میں دخل نہیں تو جو شخص اصول کو تسلیم کئے ہوئے ہے اس کو تو اس قدر کافی ہے کہ جب اصول تمہارے مسئلہ ہیں تو فروع (۱) تو تم کو ضرور تسلیم کرنا ہوں گے اور اگر اصول ہی مسلم (۲) نہ ہوں تو اول اصول میں گفتگو کرنا چاہئے جب اصول طے ہو جاویں گے فروع خود ان کے تابع ہیں پس اس قاعدہ سے معلوم ہو گیا کہ مسلمان ہو کر اگر جزئیات کی وجہ دریافت کرے اس کے کوئی معنی نہیں جزئیات کی وجہ دریافت کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کو اصول اسلامیہ ہی میں کلام ہے تو ایسے شخص کو اول تو حید و رسالت میں گفتگو کرنا چاہئے۔

اور اس کی ایسی مثال ہے کہ جیسے دو شخص ایک بادشاہ کی حکومت میں رہتے ہیں ایک شخص اہل اطاعت میں سے ہے اور ایک باغی ہے جو مطیع ہے اس کو قوانین کی وجہ اور لم (۳) دریافت کرنے کی اس لئے ضرورت نہیں کہ جب اس نے بادشاہ کا بادشاہ ہونا اور اپنا رعایا ہونا تسلیم کر لیا تو اب احکام میں جھٹ نکالنا بے معنی ہے اس کے لئے یہی کافی ہے کہ جس کو میں بادشاہ مانتا ہوں یہ اس کے احکام ہیں اور باغی اگر دریافت

(۱) جب اصول تم نے مان لیا تو ان اصول سے جو مسائل معلوم ہوتے ہیں ان کو بھی ماننا پڑے گا (۲) اگر اصول ہی تسلیم نہ کرے (۳) اس قانون کی کیا وجہ ہے اور یہ کیوں ہے۔

کرے تو وہ اس لئے بے کار ہے کہ وہ بادشاہ کو بادشاہ ہی نہیں مانتا اس لئے بجائے
توجیہ جزیات کے اول اس سے بادشاہ کو بادشاہ منوائیں گے جب وہ مانے گا تو پھر
احکام خود ہی اس کو ماننا پڑیں گے۔

غرض مخالفین کو جواب دینے کی غرض سے حکمتوں کا پوچھنا تو جیسا مثال مذکور
سے مفہوم ہوا بالکل لغو ہے اور اپنے عمل کے لئے اگر ہے تو اس لئے لغو ہے کہ مسلمان کا
بس یہ مسلک ہونا چاہئے

زبان تازہ کردن باقرار تو نینگیتختن علت از کار تو
ترجمہ: (اے اللہ ہم نے آپ کی ہر بات پر تسلیم و رضا اختیار کی ہے ہم آپ کی
قدرتوں اور احکام کی علت اور سبب دریافت کرنا فضول سمجھتے ہیں)۔

اگر کوئی کہے کہ بعض بزرگوں کے کلام میں بھی احکام کی حکمتیں پائی جاتی ہیں
بات یہ ہے کہ جن حضرات کی زبان سے کچھ حکمتیں نکلی ہیں وہ انہوں نے کسی سے
پوچھ پوچھ کر حاصل نہیں کی بلکہ اس کا طریق الہام کا بھی یہ ہے کہ بدوں کاوش (۱)
انہوں نے عمل شروع کر دیا تھا عمل کرتے کرتے حق تعالیٰ کی طرف سے ایک نور عطا
ہو گیا اس سے سب حقائق کھل گئے تو تم بھی ایسا ہی کرو حسب استعداد (۲) تم پر بھی فضل
ہو جاوے گا۔

تلاش حکمتوں کا نقصان

اور حقیقت میں شریعت نے یہ احسان کیا ہے کہ تفتیش (۳) حکمت سے منع
کر دیا ہے اور اس میں بڑی حکمت ہے اس لئے کہ اگر حکمتیں سوچ کر تم نے عمل کیا اور

(۱) بغیر کوشش (۲) استعداد کے مطابق (۳) حکمتوں کی تلاش سے۔

ہوں گی وہ تخمیناً جیسا پہلے معلوم ہوا تو ممکن ہے کہ پچاس برس کے بعد وہ حکمتیں مخدوش ثابت ہوں تو جب بناء منہدم ہوگئی تو مبنی بھی نہ رہے گا (۱) تو ان حکمتوں کا دروازہ کھولنا گویا اسلام پر سخت حملہ کرنا ہے افسوس ہے کہ ہمارے بھائی اس راز کو سمجھتے نہیں۔ خلاصہ یہ ہیکہ اس پر اتشال کو مبنی کرنا سخت مضر (۲) ہے۔ اس لئے روزہ کے متعلق بھی اس کے درپے مت ہو، ضروری بات سمجھ لو کہ روزہ کی جزا خود دیں گے خواہ وہ جزاء کچھ ہو اور خواہ اس میں وجہ مناسبت تم کو معلوم بھی نہ ہو۔

”روزہ میرے لئے ہے“ کا مطلب

آگے فرماتے ہیں فائدہ لی کہ روزہ میری شے ہے یہ روزہ کی فضیلت ہے رہی یہ بات کہ روزہ کو اپنا کیوں فرمایا اس کے مختلف پہلو ہو سکتے ہیں ایک یہ کہ جس قدر عبادات ہیں ان کی کچھ نہ کچھ صورت بھی محسوس ہوتی ہے مثلاً نماز کی صورت رکوع، سجود، قیام، قعود، محسوس زکوٰۃ کی صورت اعطاء (۳) محسوس ہے، حج کی صورت ارکان مخصوصہ امکانہ (۴) مخصوصہ میں ادا کرنا محسوس ہے، مگر روزہ ایسی شے ہے کہ اس کی کوئی صورت محسوس نہیں، نماز پڑھو تو سب کو معلوم ہو جاوے گا کہ نماز پڑھ رہا ہے حج کرو تو سب دیکھیں گے بخلاف روزہ کے کہ کسی کو خبر نہیں ہوتی اس لئے کہ اس حقیقت چند اشیاء کا ترک (۵) ہے اور وہ محسوس نہیں، اگر کوئی کہے کہ ہم ایک شخص کو صبح سے شام تک مقید (۶) رکھیں یا ہر وقت اس کے پاس رہیں تو معلوم ہو جائے گا کہ روزہ ہے یا نہیں تو

(۱) جب بنیادی نہ رہی تو اس پر جو عمارت مبنی تھی وہ بھی گر جائے گی (۲) حکمتوں کے سمجھنے پر احکام کی بجا آوری کو موقوف کرنا سخت نقصان دہ ہے (۳) یا (۴) مخصوص جگہوں یعنی بیت اللہ عرفات وغیرہ میں مخصوص ارکان یعنی احرام تلبیہ وغیرہ کہنا (۵) چند چیزوں کو پھونکنا ہے (۶) قید میں بند رکھیں۔

وہ بھی محسوس ہو گیا جواب یہ ہے کہ اس سے بھی روزہ کا علم نہ ہوگا۔ اس لئے کہ پیشاب پانچخانہ غسلخانہ میں جانے کے وقت تو پہرہ ہٹاؤ گے تو اس میں ممکن ہے کہ وہ روزہ توڑ ڈالے تو آپ کو کیا خبر ہوگی؟ غرض جب روزہ ایسی چیز ہوئی تو اور عبادتوں میں ریا کا بھی احتمال ہو سکتا ہے مگر روزہ کے اندر یہ احتمال بالکل نہیں ہے اور اگر کوئی ظاہر کر دے کہ میرا روزہ ہے تو پھر روزہ میں بھی احتمال ریا کا ہو جائے گا، میں کہتا ہوں کہ اس صورت میں بھی ریا نہ ہوگی اس لئے کہ دیکھنے والوں کو روزہ کی صورت تو نظر آتی نہیں صرف اسکے اخبار (۱) سے ہی معلوم ہوا کہ روزہ ہے اور ”الخبیر یحتمل الصدق والكذب“ (۲) ممکن ہے کہ اس کو جھوٹا سمجھا جاوے بخلاف اور عبادتوں کے کہ اگر انکار بھی کرے تب بھی وہ انکار مفید نہیں اس لئے کہ مشاہدہ کے خلاف ہوگا پس ایک معنی تو ”فانہ لی“ کے یہ ہو سکتے ہیں کہ یہ میرے ہی لئے خالص ہے اس میں نمائش کا احتمال نہیں۔

”فانہ لی“ فرمانے کی دوسری وجہ

دوسری وجہ فانہ لی فرمانے کی یہ ہے کہ جتنے اعمال ہیں سب میں عبدیت کی شکل ہے مثلاً نماز حج وغیرہ یا بعض میں ایسی صفت ہے کہ مشترک ہے جیسے زکوٰۃ کی حقیقت کہ اعطاء ہے کہ عبدیت کی بھی صفت ہے اور الہ (۳) کی بھی بخلاف روزہ کے کہ جس کی حقیقت ترک الاکل والشرب والجماع (۴) ہے۔ اور ان امور سے منزعہ (۵)

(۱) خبر دینے سے (۲) خبر میں دونوں باتوں کا امکان ہے کہ کئی بھی ہو سکتی ہے جھوٹی بھی (۳) لوگوں کو دینا یہ خدا کی صفت ہے اور خدا کے حکم سے اپنے مال میں سے دینا یہ حکم کی بجائے آدمی کرنا بندہ کی صفت ہے زکوٰۃ کی ادائیگی میں دونوں صفات پائی جاتی ہیں (۴) روزہ کی حقیقت کھانے پینے اور ازدواجی تعلق کو ترک کرنا ہے (۵) اور ان امور کا ارتکاب نہ کرنا یہ اللہ کی صفت ہے۔

ہونا خاص صفت حق تعالیٰ کی ہے۔ حق تعالیٰ اس سے پاک ہیں۔

معنی حدیث کی تشریح

اور اگر کوئی کہے کہ حدیث میں آیا کہ شب معراج میں جناب رسول اللہ ﷺ جب تشریف لے گئے اور ایسے مقام پر پہونچے جہاں فرشتے بھی نہ جاسکتے تھے اور آگے بڑھنا چاہا تو ندا آئی ”قف یا محمد فان ربك یصلی“ یعنی ٹھہرو! اے محمد ﷺ اس لئے کہ آپ کا رب نماز پڑھتا ہے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صلوٰۃ بھی حق تعالیٰ کی صفت ہے اور اس حدیث سے منکرین حدیث کو تو یہ ضرر (۱) ہوا کہ انہوں نے اس کے حدیث ہونے ہی سے انکار کر دیا اور کم علم و کم فہموں کو یہ غلطی ہوئی کہ وہ اسکے ظاہر کا اعتقاد کر بیٹھے بات یہ ہے کہ یہاں صلوٰۃ کے معنی توجہ اور رحمت کے ہیں۔ جیسا کہ قرآن شریف میں ”ہو الذی یصلی علیکم“ (۲) سے مراد رحمت بھیجنا ہے رہا یہ شبہ کہ رحمت و توجہ فرمانا حضور ﷺ کو آگے بڑھنے سے کیوں مانع ہوا (۳)۔ بات یہ ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ یوں تو ہر وقت مورد تجلیات اور رحمتوں کے رہتے تھے کہ کسی کو انبیاء اولیاء میں سے یہ مرتبہ حاصل نہ تھا۔ لیکن اس وقت حق تعالیٰ نے چاہا کہ خاص تجلیات اور قرب خاص سے مشرف فرمادیں اور ان تجلیات خاصہ و قرب خاص کے لئے ضرورت تھی استعداد خاص کی، اس لئے ٹھہرے رہنے کا حکم فرمایا کہ ابھی ٹھہرو اللہ تم پر اپنے انوار و رحمت فائض فرما رہے ہیں تاکہ تمہارے اندر استعداد تام (۴) ہو جاوے، آئندہ

(۱) نقصان (۲) دود و ذات ہے کہ جو تم پر رحمت نازل فرماتا ہے (۳) کیوں روکنے کا باعث ہوا (۴) ہر وقت آپ پر اللہ کی رحمتیں اور تجلیات نازل ہوتی رہتی تھیں۔

تجلیات کی (۱)۔ پس معلوم ہوا کہ یہاں نماز کے معنی نہیں غرض نماز خاص صفت بندہ کی ہے بخلاف روزہ کے کہ اس میں ایک شان تنزیہ کی ہے، پس اس میں تخبہ (۲) ہے حق تعالیٰ کے ساتھ اس لئے فرماتے ہیں کہ وہ ہماری شے ہے۔

روایت کے معنی کی تحقیق

یہاں سے ایک لطیفہ ظنی طریق سے مستفاد (۳) ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ جب قیامت کا دن ہوگا اور ظالمین کی نیکیاں مظلوموں کو دی جاویں گی تو بعض اہل لطائف نے کہا ہے روزہ نہ چھنے گا اس لئے کہ سرکاری جائیداد ہے اس کو کوئی نہ لے سکے گا مگر اس کا دعویٰ لطیفہ کے درجہ میں ہے ممکن ہے کہ ایسا ہی ہو اور اس کے ساتھ ہی ایک اور بات بھی یاد آئی وہ یہ ہے کہ 'انا اجزی بہ' میں ایک نسخہ 'انا اجزی بہ' بصیغہ مجہول بھی مشہور ہے اس کے معنی مشہور یہ ہیں کہ روزہ میرا ہے اور اس کے بدلے میں میں دیا جاؤں گا۔ یعنی اس کا بدلہ یہ ہے کہ میں اس کو ملوں گا اور یہ مضمون گوئی نفسہ صحیح ہو کہ حق تعالیٰ اس کے بدلہ میں مل جاویں اور اس پر مجھ کو ایک حکایت یاد آئی.....

خلیفہ ہارون الرشید نے ایک دن دربار کیا اور یہ حکم کیا کہ جو شخص جس شے (۴) پر ہاتھ رکھ دے گا اس کو وہی شے دی جاوے گی، چنانچہ لوگوں نے اپنی خواہشوں کے موافق ایک ایک شے پر ہاتھ رکھ دیا۔ ایک لونڈی نے ہارون الرشید کی کمر پر ہاتھ رکھ دیا۔ ہارون رشید نے کہا یہ کیا؟ کہا کہ جب آپ میرے ہو گئے تو یہ

(۱) یعنی آپ ٹھہر جائے اللہ تعالیٰ آپ پر اپنی تجلیات خاص نازل فرما رہے ہیں جن سے آپ میں یہ قوت پیدا ہو جائے کہ آئندہ کی تجلیات کو برداشت کر سکیں (۲) پس اس میں ایک اللہ کی ایک صفت میں مشابہت اختیار کرنا ہے (۳) لفظ ہے (۴) چیز

چیزیں میری ہو گئیں، اس لئے میں نے آپ کا انتخاب کیا ہے، پس جس کو خدا تعالیٰ مل گیا اس کو سب نعمتیں مل گئیں، غرض یہ مضمون تو فی نفسہ (۱) صحیح ہے مگر غلطی یہ ہے کہ اس حدیث سے نکالا جاتا ہے۔ جو شخص ذرا بھی عربیت سے مس (۲) رکھتا ہوگا وہ ہرگز اس سے یہ معنی نہ سمجھے گا اس لئے کہ عربیت کے اعتبار سے اس کا ترجمہ یہ ہوگا کہ میں جزا دیا جاؤں گا یعنی نعوذ باللہ مجھ کو کوئی جزا دے گا نہ یہ کہ میں جزا میں مل جاؤں گا کہ یہ اس کا ترجمہ نہیں ہے۔ پس یہ نسخہ غلط ہے صحیح وہی ہے انا جزئی بہ یعنی میں اس کی جزا دوں گا، اور روزہ کی فضیلت یہ کیا کچھ کم ہے کہ فرماتے ہیں کہ میں جزا دوں گا، خیر یہ مضامین تو تبعاً بطور لطیفہ کے ہیں۔

روزہ میں قابل اہتمام بات

مجھ کو فائدہ لی سے ایک مضمون خاص مستحب کرنا ہے جو کہ نہایت کارآمد ہے وہ یہ ہے کہ جب یہ فرمایا کہ روزہ میرا ہے تو جب ہم نے روزہ رکھا تو گویا ہم زبان حال سے یہ کہہ رہے ہیں کہ لیجئے حضور یہ آپ کے لئے ہے۔ اب آپ یہاں سے سبق حاصل کیجئے کہ اگر حاکم ضلع کے لئے شے تحفہ کے طور پر بھی لیجاؤ خاص کر جب کہ حاکم خود فرمائش بھی کرے تو اس کا کس قدر اہتمام کرو گے جہاں تک ہو سکے گا عمدہ صاف ستھری شے (۳) لے جاؤ گے اور اگر احتمال بھی اس میں عیب کا ہوگا تو اس کو ردی (۴) کر دو گے، دوسری منگاو گے، ذرا اگر بیان میں منہ ڈال کر حق تعالیٰ کو حاضر ناظر جان کر کہنا کہ روزہ میں بھی اتنا یا اس سے آدھا ہی اہتمام ہوا ہے؟۔ بفضلہ تعالیٰ اکثر تو روزہ

(۱) اپنی ذات کے اعتبار سے تو یہ مضمون درست ہے (۲) جو شخص تھوڑی سی عربی بھی سمجھتا ہوگا (۳) چیز (۴) مسترد کر دو گے۔

ہی نہیں رکھتے اور کہتے ہیں کہ روزہ کی فلاسفی ہے کس قوتِ بیمیہ (۱) تو جب یہ علت ہے تو ہم اپنے اندر اس قوت کو مغلوب پاتے ہیں خاص کر بعض نام کے مولویوں کا ترجمہ بعض نے جب سے دیکھا ہے اور زیادہ دلیری بڑھ گئی۔

بعض غلط ترجموں کی نشاندہی

اس زمانہ میں ایک قرآن شریف کا ترجمہ طبع ہوا ہے اس میں وعلى الذین یطیعونہ فدیۃ کی تفسیر میں لکھ دیا ہے کہ جو شخص روزہ نہ رکھے وہ فدیہ دیدے اس سے لوگوں کی جرأت بڑھ گئی اور بجائے روزہ کے فدیہ کو کافی سمجھ لیا۔ یاد رکھو کہ یہ تفسیر اس آیت کی بالکل غلط ہے اور وجہ یہ ہے کہ یہ ترجمہ کرنے والا ہی علوم سے بالکل جاہل ہے۔ اس لئے کہ مولوی تو مولا والا ہے، نفس علم کی وجہ سے اگر کوئی مولوی ہو جاوے تو شیطان بڑا عالم ہے۔ بلکہ معلم المملکت (۲) مشہور ہے خدا جانے یہ کہاں کی روایت ہے کسی بزرگ کے کلام میں ہو تو اس کی یہ توجیہ ہو سکتی ہے کہ علوم میں فرشتوں سے زیادہ ہے یہ مطلب نہیں کہ فرشتوں کو میناچی (۳) کی طرح پڑھایا کرتا تھا۔ اور شیطان کا علم میں زیادہ ہونا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خود مولویوں کو بہکا تا ہے۔ مولوی کو وہی شخص بہکا سکتا ہے جو اس سے زیادہ علم رکھتا ہو۔ دیکھئے اگر وکلاء کو کوئی دھوکہ دے تو وہ وکالت دانی (۴) میں اس سے زیادہ ہوگا۔ جب مولویوں کو بھی دھوکہ دیدیتا ہے تو معلوم ہوا کہ یہ مولویوں سے زیادہ علم رکھتا ہے۔ مگر صاحبو! علم تو اور ہی شے ہے علم وہ ہے جس کی نسبت فرماتے ہیں

علم چہ بود آنکہ رہ نہ مایدت زنگ گمراہی زد دل بز دا یدت
تو ندانی جز بکوز ولا بکوز خود ندانی تو کہ حوری یا عجز

(۱) قوت حیوانیہ کو توڑنا (۲) فرشتوں کا استاد (۳) بچوں کو پڑھانے والے استاد کی طرح (۴) وکالت جانتے میں

ترجمہ: (حقیقت میں علم وہی ہے کہ تم کو راہ حق دکھا دے اور تمہارے دل سے گمراہی کا رنگ دور کر دے تم سوائے یہ چیز جائز ہے اور یہ چیز ناجائز ہے کے کچھ خبر نہیں تمہیں تو اپنا علم بھی نہیں کہ تم مقبول ہو یا مردود)

جس نے تمام عمر ڈپٹی کلکٹری کی ہو وہ قرآن کا کیا ترجمہ کرے گا بڑا کمال اس ترجمہ کا یہ بیان کیا جاتا ہے کہ محاورہ کے موافق ہے، میں کہتا ہوں کہ مسلم (۱) ہے لیکن جب غلط ہوا تو کس کام کا اگر ”حرمت علیکم امہاتکم“ کا ترجمہ کوئی یہ کرنے لگے کہ نماز پڑھو تو یہ ترجمہ ہی نہیں، چنانچہ اس ترجمہ کا ایک مقام مجھ کو یاد آیا سورہ یوسف میں ہے ”ذہبنا نستیق“ استباق کا ترجمہ ان مترجم صاحب نے کبڈی کھیلنا کیا ہے۔ یہ ترجمہ نقل بھی بالکل غلط ہے اور عقلاً بھی۔ نقل تو اس لئے کہ لغت میں دیکھ لیجئے کہ استباق کے کیا معنی ہیں۔ کیا خلاف لغت ترجمہ بھی معتبر ہوگا؟ استباق کے معنی آپس میں دوڑنا ہے کہ دیکھیں کون آگے نکلے اور چونکہ عقل پرستی کا آج کل زور ہے اس لئے میں کہتا ہوں کہ عقلاً بھی یہ ترجمہ غلط ہے اس لئے کہ کبڈی کھیلنے میں اتنے دور نہیں جایا کرتے کہ جس سے محافظ بچہ کی نسبت بھیڑیے کے کھا جانے کا احتمال ہو، اگر ایسا ہوتا تو حضرت یعقوب علیہ السلام ضرور جرح فرماتے بہر حال ”وعلی الذین یطیقونہ“ کی یہ تفسیر نہیں ہے اور نہ فدیہ دینے والے بری ہو سکتے ہیں اور نہ یہ کہہ کر بری ہو سکتے ہیں کہ روزہ تہذیب نفس کے لئے ہے ہم تو خود مہذب ہیں اس لئے کہ اول تو یہ کہنا ہی غلط ہے کہ ہم مہذب ہیں اور دوسرے تہذیب نفس روزہ کی حکمت ہے نہ کہ بناء و علت (۲) یہ خرابی اس کی ہے کہ احکام کو مختراع (۳) حکمتوں پر مبنی کرتے ہیں یہ تو

(۱) یہ بات تسلیم ہے (۲) اس کی حکمت ہے بنیاد اور علت نہیں (۳) خود ساختہ حکمتوں پر مبنی کرتے ہیں۔

ان کا ذکر ہے جو تاویل میں کر کے روزہ رکھتے ہی نہیں۔

روزہ میں واجب الترتک کام

اور بعض وہ ہیں جو رکھتے ہیں لیکن اس کے حقوق ادا نہیں کرتے انہوں نے روزہ نام فقط اس کا رکھا ہے کہ کھانا پینا چھوڑ دیا جاوے۔ صاحبو! اگر حاکم تم سے یہ کہے کہ ایک آدمی کی ضرورت ہے اور تم اندھا، بہرہ، لنگڑا، لولا، اپاہج محض لے جاؤ تو کیا حاکم اس سے خوش ہوگا ہرگز نہیں۔ بلکہ حتی الوسع (۱) اس کی کوشش کرو گے کہ مرضی کے موافق آدمی ہو تو روزہ میں یہ قاعدہ کیوں مہمل چھوڑ دیا۔ آنکھ، زبان، ہاتھ پاؤں سب ہی کو گناہوں سے بچانا چاہئے دیکھو جب روزہ میں وہ چیزیں حرام کر دی گئی ہیں جو مباح تھیں تو جو پہلے سے حرام ہیں وہ تو بطریق اولیٰ واجب الترتک ہوں گی اور اگر روزہ میں گناہ ترک نہ کئے تو اس کا روزہ کیا ہے؟ نام کا روزہ ہے۔ اسی واسطے حدیث شریف میں آیا ہے کہ بعض لوگوں کو روزہ میں سے صرف بھوک پیاس اور جاگنا ہی میسر ہوتا ہے اور بعض لوگ اطمینان حاصل کرنے کے لئے دنیا کے تعلقات تو کم کر دیتے ہیں لیکن بجائے اس کے شطرنج، گتھفہ (۲)، بدننگاہی (۳) اور ناول دیکھنا اختیار کرتے ہیں یاد رکھو کہ یہ افعال سم قاتل (۴) ہیں ان کو معمولی نہ سمجھیں گھر پھونکنے (۵) کے لئے ایک چنگاری بھی کافی ہے ظاہر یہ افعال خفیف معلوم ہوتے ہیں لیکن واقع میں سخت ہیں۔

شطرنج کھیلنے اور ناول پڑھنے کا نقصان

ادنیٰ بات یہ ہے کہ شطرنج سے غفلت پیدا ہوتی ہے۔ اور غفلت تمام امراض

(۱) اپنی طاقت کے مطابق (۲) تاش (۳) بری نظر سے عورتوں یا نابالغ بچوں کو دیکھنا (۴) ہلاک کر دینے والا زہر

(۵) گھر جلانے کیلئے۔

کی جڑ ہے طبیعوں سے پوچھئے کہ زکام کیا ہے اگر علاج میں ذرا غفلت کی جاوے تو سینکڑوں امراض کا مقدمہ بن جاتا ہے۔

اسی طرح ناول دیکھنا اس میں بھی اس قدر مشغولی ہوتی ہے کہ سوائے اسکے قلب میں کچھ نہیں ہوتا۔ اگر کوئی کہے کہ غفلت تو کچھری میں کام کرنے اور روٹی کھانے پکانے سب میں ہوتی ہے۔ تو چاہئے کہ سب چھوڑ دیں۔ بات یہ ہے کہ کام دو قسم کے ہیں ایک ضروری اور ایک غیر ضروری۔

ضروری اشتغال کا یوں تجربہ ہوا ہے کہ مضر نہیں ہوتے اس لئے کہ اس کو ضروری سمجھ کر آدمی اس میں پھنستا ہے اور جب اس کو ضروری سمجھا تو اصلی کام دوسری شے کو سمجھے گا تو دل اسی اصلی کام کی طرف رہیگا۔ کہ اس کام سے فارغ ہو کر اپنا اصلی کام کریں گے۔ اور جو تھوڑی سی غفلت اس میں ہو جاتی ہے اس کیلئے استغفار کا حکم فرمایا ہے استغفار سے وہ دھل دھلا جاوے گی۔ اور غیر ضروری کی نسبت یہ تو خیال ہے نہیں کہ یہ ضروری ہے اس لئے اس کو ہی مقصود سمجھے گا وہ مضر ہے۔ اور مورث غفلت (۱) ہے۔ اور یہ غفلت بڑھتے بڑھتے مفطی الی الکبار بلکہ الی الکفر (۲) ہو جاتی ہے۔ بالخصوص ناول سے ایک بڑا ہی سخت مرض پیدا ہوتا ہے وہ یہ کہ اس کے دیکھنے سے بد معاشی کے طریقے خوب یاد ہو جاتے ہیں۔

ہمارے ناول کے شیدائی پرانے قصوں پر اعتراض کرتے ہیں اور تاریکی اور خلاف تہذیب سمجھتے ہیں لیکن اس تاریکی اور اس روشنی میں اس قدر فرق ہے کہ اس تاریکی میں وقت تو ضائع ہو جاتا ہے لیکن اخلاق پر برا اثر نہیں پڑتا۔ اسلئے کہ وہ قصہ

(۱) وہ نقصان دہ اور غفلت پیدا کرنے والی ہے (۲) یہ غفلت بڑے گناہوں بلکہ کفر تک پہنچا دیتی ہے۔

صریحاً کذب اور عاۃ مستحیل (۱) ہیں۔ مثلاً گل بکاؤلی کا قصہ، گل بکاؤلی کی جو تصویر اور جنوں کی عملداری وغیرہ من الخرافات (۲) ان قصوں سے کوئی ترکیب بد معاشی کی نہیں سیکھ سکتا کیونکہ اس میں وصال بکاؤلی کا طریقہ ایک جن مہربان ہو کر پہنچا دیتا ہے۔ تو اس کو کوئی کس طرح حاصل کرے گا بخلاف ناولوں کے کہ اس میں لکھا ہے کہ ماما کے ہاتھ رقعہ بھیج دیا جس کو ہر شخص کر سکتا ہے۔

(ضبط کنندہ عرض کرتا ہے کہ ناول کا طرز چونکہ ایسا دکھلایا جاتا ہے جیسے واقعات ہوتے ہیں، اس لئے ان کا اثر خبیث پڑتا ہے کہ اکثر آدمی اسکے دیکھنے سے عشق نساء یا اطفال میں مبتلا ہو جاتا ہے اور قلب میں سوزش کی سی کیفیت ہو جاتی ہے اور یہ سخت مضر (۳) ہوتا ہے ۱۲ جامع)

اسی طرح بعض لوگ دنیا کے سب کام چھوڑ کر روزہ میں غیبت کے اندر مشغول ہو جاتے ہیں۔ چار آدمی بیٹھ گئے اس پر طعن اس کی برائی۔ اور جو کہا جاتا ہے تو کہتے ہیں کہ میاں روزہ بھی کسی طرح کئے۔ الحاصل روزہ میں ہاتھ، پاؤں، کان، آنکھ سب کی حفاظت کرنی چاہئے ان سب گناہوں سے روزہ کی برکت کم ہو جاتی ہے۔ خصوصاً معدہ کا گناہ یعنی حرام کھانا اس کو تو ضرور ہی چھوڑ دو۔ کہ یہ تمام خرابیوں کی جڑ ہے حکم تو یہی ہے کہ ہمیشہ کے لئے اس کو ترک کر دو۔

مفتی بننے کی ترکیب

لیکن کیونکہ ایک دم سے چھوڑنا کم ہمت لوگوں کو شاق (۴) ہے اسلئے میں یہ تو

(۱) کھلا جھوٹ اور عاۃ ناممکن ہے (۲) بے ہودہ قصے (۳) آج کل اس سے بھی سخت نقصان دہ فی وی ڈرامے فلمیں اور انٹرنیٹ ہے (۴) مشکل ہے۔

ضرور کہوں گا کہ ایک ماہ کیلئے اپنا نفس سے صلح کر لو اور نفس سے کہہ دو کہ اے نفس صرف ایک ہی ماہ کیلئے متقی بن جا۔ پھر اختیار ہے اس سے یہ فائدہ ہوگا کہ اب جو نفس کو تقوی پہاڑ نظر آتا ہے اس کے بعد تقوی اس قدر مشکل نہ سمجھے گا اور شدہ شدہ (۱) دائمی تقوی اسے بھی میسر ہو جاویگا دوسرا فائدہ یہ ہے کہ ایک ماہ متقی ہو جانے سے تقوی کی ایک حلاوت (۲) محسوس ہوگی کہ جس کو آپ اس وقت محسوس نہیں کرتے اور وجہ اسکی یہ ہے کہ حق تعالیٰ کی اطاعت میں ایک حلاوت ہے کیونکہ جس وقت یہ نفس کو روکے گا اس کے روکنے میں ایک حظ (۳) ہوگا کہ اس کے برابر کسی شے میں حظ نہیں ہے۔ اسی واسطے جوانوں کو جو لطف عبادت میں آتا ہے وہ بڑھاپے میں نہیں ہوتا۔

خود قوی تری شود خمر کہن خاصہ آں خمرے کہ باشند من لدن
لیکن اگر جوانی گذر گئی تو بڑھاپے ہی کو غنیمت سمجھنا چاہئے کہ آئندہ آنے والی حالت میں یہ بھی نہ ہوگا جواب ہو سکتا ہے بہر حال فلسفی طور پر سے ثابت ہے کہ عبادت میں لطف ہوتا ہے جب اسی طرح تقوی کے ساتھ پورا مہینہ گذر جاوے گا تو شوال میں آپ کو یاد آوے گا کہ ہم نے نگاہ کو روکا تھا کیسا لطف آیا، حلال کھانا کھایا تھا کیسا نور پیدا ہوا تھا اور آپ کو ایک امتیاز (۴) حلال حرام میں حاصل ہوگا۔ پھر ان ہی حظوظ (۵) کو جی چاہے گا اور ہمت برہے گی۔ اس طرز سے انشاء اللہ امید ہے کہ تقوی دائمی (۶) حاصل ہو جاوے گا اور تقوی سے یہ بھی فائدہ حاصل ہے کہ جو شخص تقوی کرتا ہے اس کو پریشانیاں نہیں ہوتیں۔ ہر کام میں اس کو سہولت ہوتی ہے۔ مگر شرط ہے کہ

(۱) آہستہ آہستہ (۲) محسوس (۳) لطف آئے گا (۴) فرق (۵) انہی لذتوں کے حاصل کرنے کو دل چاہے گا

(۶) ہمیشہ کا تقوی۔

اس نیت سے تقویٰ نہ کرے پھر بعد رمضان شوال میں نفس سے صلح کرے کہ اے نفس ہر ماہ میں سے ایک ہفتہ کیلئے تقویٰ کو اختیار کرے۔ اسی طرح رفتہ رفتہ دن بڑھاتا جائے حتیٰ کہ ایک دن وہ ہوگا کہ یہ شخص متقی کامل بن جائے گا۔ اور یہ علاج میں نے بزرگوں کے ملفوظات سے سمجھا ہے۔

نفس کو عبادت پر آمادہ کرنے کی ترکیب

بعض بزرگوں کے حال میں لکھا ہے کہ اگر انکو بیس میل چلنا ہوتا تھا تو نفس سے صلح کرتے تھے کہ اے نفس دو میل تک ذکر میں مشغول ہو جا پھر تجھ کو اختیار ہے۔ جب دو میل ختم ہو گئے دو میل کیلئے پھر صلح کر لی۔ اسی طرح تمام منزل ختم کردی اور اگر ابتدا ہی سے نفس کو معلوم ہو کہ مجھ کو تمام راستہ یہ شغل (۱) ہوگا تو ہرگز اس پر راضی نہ ہوگا۔ لیکن صاحبو! تقویٰ کلابی (۲) اختیار نہ کرنا کہ کتابت موتا ہے تو ٹانگ الگ کر لیتا ہے مگر کھانے میں نجاست بھی سامنے آ جاوے تو وہ بھی کھا جاتا ہے پس ٹانگ کو تو بچایا اور منہ کو آلودہ کر لیا۔ اسی طرح بعض لوگ وظیفوں کو تقویٰ سمجھتے ہیں اور حرام سے نہیں بچتے۔

تقویٰ کی حقیقت

تقویٰ ہر شے کا ہے۔ آنکھ کا تقویٰ یہ ہے کہ بری نگاہ سے کسی عورت یا مرد کو نہ دیکھے۔ زبان کا تقویٰ یہ ہے کہ کسی کی غیبت نہ کرے کسی کو نہ ستاوے۔ اسی طرح ہاتھ کا تقویٰ یہ ہے کہ کسی پر ظلم نہ کرے۔ شہوۃ (۳) کسی سے مس نہ کرے۔ پاؤں کا

(۱) پورے راستہ یہ ذکر کرنا ہوگا (۲) کتنے جیسی پرہیزگاری (۳) شہوت کیساتھ کسی کو ہاتھ نہ لگائے۔

تقویٰ یہ ہیکہ بری جگہ چل کر نہ جاوے۔ کان کا تقویٰ یہ ہے کہ کسی کی غیبت نہ سنے۔ راگ باجے سے بچے۔ وضع میں بھی تقویٰ ہے۔ کہ وضع خلاف شرع نہ رکھے۔ پیٹ کا تقویٰ یہ ہیکہ حرام مال نہ کھاوے۔

اشکال کا جواب

شاید یہاں یہ اشکال پیدا ہوگا کہ صاحب سب چیزوں کا تو تقویٰ ہے لیکن حرام آمدنی سے کیسے بچیں۔ اس لئے ہمارا تو سب مال حرام ہے۔ غلہ ہے وہ حرام آمدنی کا۔ لباس ہے وہ ناجائز اب اس کو کیسے چھوڑیں یہ سخت مشکل ہے۔ مجھے ایک حکایت یاد آئی کہ ایک مرتبہ چوہوں میں کمیٹی ہوئی سب چوہے جمع ہوئے اور اس میں گفتگو ہوئی کہ بلی نے ہمارے بنی نوع (۱) کو بہت ستایا ہے ہمیشہ کھا جاتی ہے۔ اس کا کچھ انتظام ہونا چاہئے۔ سب کی رائے اس پر قرار پائی کہ اسکو پکڑیں۔ کسی نے کہا میں ہاتھ پکڑ لوں گا۔ کسی نے کہا ٹانگ پکڑ لوں گا علی ہذا ایک بڑا چوہا خراٹ چپکا سب کی باتیں سن رہا تھا اور بولتا نہ تھا۔ اخیر میں اس نے کہا کہ صاحبزادو! یہ سب کچھ ہے لیکن جب وہ میاؤں کرے گی تو اس کو کون پکڑے گا؟ کیا کرو گے؟ تو تمہارے نزدیک ایسے ہی اس حرام آمدنی کا اشکال ہے جس کا کچھ جواب ہی نہیں جس کی وجہ بھی ظاہر ہے کہ دس روپے تو کل تنخواہ اور اسمیں گذر کنبہ کا چلتا نہیں اگر بالائی آمدنی نہ ہو تو کھاویں گے کہاں سے۔ صاحبو! میں میاؤں کا بھی علاج بتاتا ہوں۔ اگرچہ اس کے ظاہر کرنے کی جرات تو ہوتی تھی مگر میں دیکھتا ہوں کہ مسلمان بہت تباہ حالت میں ہیں چین سے بہت دور جا گرے ہیں۔

(۱) ہماری نسل کو۔

اس لئے بضرورت ظاہر کرتا ہوں کہ فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر دے ہمارے لیے ایسی سہولتیں نکلا دی ہیں کہ اگر ان سہولتوں کے ہوتے ہوئے بھی کوئی مبتلائے حرام ہو تو بڑا ہی بد بخت ہے وہ یہ ہے کہ فقہاء نے لکھا: یکہ اگر کوئی شے قرض کے روپیہ سے خریدی جاوے اور وہ قرض حرام آمدنی سے ادا کر دیا جاوے تو اس شے میں خبث^(۱) کا اثر نہیں آتا گو حرام آمدنی کمانے کا گناہ ہوگا تو آپ یہ کیجئے کہ رمضان بھر کے لئے تمام اشیاء کھانے پینے کی نقد نہ خریدے بلکہ کسی مہاجن سے یا کسی دوسرے مسلمان سے جس کی آمدنی حلال ہو پچاس روپے قرض لے کر تمام جنس خرید لیجئے اور پھر وہ قرض جہاں سے چاہے ادا کر دیجئے اس طور سے آپ حرام کے اثر سے رمضان بھر کیلئے بچ سکتے ہیں لیجئے وہ جو سب سے زیادہ سخت سوال تھا اس کا علاج ہو گیا، گو حرام روپے سے قرض ادا کرنے کا گناہ ہوگا مگر حرام کھانے سے تو بچے اور جو گناہ بالکل مہمل اور تفریح کے طور پر کئے جاتے ہیں ان کے چھوڑنے میں تو آپ کو کوئی عذر ہو ہی نہیں سکتا، اس طور سے آپ رمضان میں متقی بن سکتے ہیں اور پھر اس تقویٰ کا اثر آپ خود دیکھیں گے میرے بیان کرنے کی ضرورت نہیں یہ تو رمضان کے لئے ہوا اور گیارہ مہینے کے لئے یہ کیجئے کہ نفس سے صلح کیجئے کہ ہر ماہ میں سے تین دن کے لئے اسی طرح تقویٰ اختیار کرے تو بقاعدہ من جاء بالحسنة فله عشر امثالها^(۲) مجھے اللہ سے امید ہے کہ وہ تین بجائے تیس کے برکت میں ہو کر بقیہ ایام

(۱) اس لئے کہ قرض لینا حلال ہے اور جب کسی سے حلال روپیہ قرض لیا اور اس سے کھانے کی اشیاء خریدی تو وہ بھی حلال ہیں تو پورے رمضان حلال روزی کھائے گا حرام مال سے اس قرض کی ادائیگی کا گناہ اگرچہ ہوگا لیکن رمضان میں تو حلال رزق میسر آگیا (۲) جو آدمی ایک نیکی کرے گا اس کو دس نیکیوں کا ثواب ملے گا اس قاعدے کے مطابق جو تین دن تقویٰ اختیار کرے تو دس گنا تیس دن تک اس کا اثر چلے گا۔

میں بھی اللہ تعالیٰ آپ کو تقویٰ کی دولت سے مالا مال کر دیں گے۔

نفس کو رام کرنے کی آسان ترکیب

ایک کام کی بات اور یاد آئی اور وہ ایک چھوٹی سی بچی سے مجھے حاصل ہوئی ہے بعض مرتبہ حقائق اور حکم مجاہدین (۱) اور بچوں سے بھی مل جاتی ہیں وہ یہ ہے کہ ایک بچی نے یہ کہا کہ نفس جس لذت و لطف کا تقاضا کرے اس کے جواب میں اس کو روکو مت بلکہ ترک کی مہلت دو اور کہو کہ جنت میں چلکر اس لطف و لذت کو حاصل کریں گے حقیقت میں یہ عجیب بات ہے۔ بات یہ ہے کہ نفس کو گھوٹنا اور روکنا زیادہ ناگوار ہوتا ہے اور آزادی اور اس کی خواہش کو پورا کرنا وعدہ کر لینا آسان ہے چنانچہ اس تدبیر کا میں نے اول خود تجربہ کیا بہت ہی نافع ثابت ہوئی پھر میں نے اوروں کو بتایا انہوں نے بھی اس کا نافع ہونا ظاہر کیا۔ غرض کہ یہ تدبیر کیجئے اور اپنی اصلاح کی فکر کیجئے بے فکری بہت بُری شے ہے اس سے گناہ بڑھتے چلے جاتے ہیں اور گناہ کے بڑھنے سے دل بے حس ہو جاتا ہے۔ پھر اچھے بُرے کی بھی تمیز نہیں رہتی اور پہلے تو وعیدات شریعہ ہی متنبہ (۲) کرتی تھیں اور اب تو انقلابات عالم سے بھی تنبیہ ہو رہی ہے اگر ان تغیرات سے بھی اصلاح نہ ہو تو سخت افسوس ہے۔ اب اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق عطا فرماوے۔ آمین یا رب العلمین (۳)

(۱) حقائق اور حکمتیں دیوانوں اور بچوں سے حاصل ہو جاتے ہیں (۲) شرعی سزاؤں کی دھمکیاں ہی تنبیہ کا باعث تھیں (۳) ایسا ہی ہوئے تمام جہانوں کے پالنے والے۔ ظلیل احمد تھانوی۔ ۸ ستمبر ۲۰۰۱ء

Ali Composer & Designer

291.Kamran Block Allama Iqbal Town Lahore.# 5414385

